خطبۂ حجۃ الوداع
حقوق انسانی کا عالمی منشور

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی

افکار ونظریات اور ادیان ومذاہب کی بزم میں اسلام اللہ رب العزت کا وہ عطا فرمودہ طریقۂ حیات اور ضابطۂ زندگی ہے جو جغرافیائی حدود وقیود سے پرے، رنگ ونسل کے امتیاز سے مافوق، دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اللہ رب العزت کی اسی بیش قیمت روحانی نعمت کو مخصوص قوم اور محدود خطہ ارض کے لیے کم وبیش سوا لاکھ انبیاء کرام اپنے اپنے زمانے میں لے کر آتے رہے اور انسانیت کی ہدایت کا عظیم الشان فریضہ انجام دیتے رہے۔ حضرت آدمؑ ہوں یا حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ ہوں یا حضرت موسیٰؑ وعیسیٰؑ، اسی طریقۂ زندگی کے علمبردار رہے[1] اور اسی طریقہ زندگی کا درس انسانیت کو دیا۔ رشد وہدایت کے مقدس اور مبارک سلسلے کی آخری کڑی نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کے ذریعہ اس نعمت عظمیٰ کی تکمیل ہوئی[2] اور بارگاہِ رب العزت میں دین اسلام کے ہی شرف قبولیت سے ہمکنار ہونے کا اعلان فرمادیا گیا۔[3]

قیامت تک کے لیے حذف واضافہ سے پاک اور غیر مبدل ومحرف کتاب قرآن مجید کا خاتم الانبیاء ﷺ پر نزول، تاریخ کی روشن ترین صداقت اور دنیائے انسانیت کا عظیم ترین واقعہ ہے جس نے تیئیس سال کی قلیل مدت میں فکروخیال کے دھاروں کا رخ موڑ دیا، صدیوں سے تمام قسم کی خباثتوں اور رذالتوں میں ملوث اور وحشت ودرندگی کی خوگر قوم کو جینے کا سلیقہ سکھایا، انسانیت، محبت اور سیادت وقیادت کے ایسے زریں اسباق سکھائے کہ وہ قوم دنیائے انسانیت کے لیے قابل رشک اور لائق تقلید بن گئی۔ یہ کتاب سراپا ہدایت[4]، رحمت[5]، شفا،[6] تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے والی[7] اور تمام معاملات زندگی میں راست روی[8] کی نقیب وپاسباں ہے۔ خاتم الانبیاء ﷺ پر اس کتاب کا نزول اس صداقت پر بین دلیل ہے کہ قیامت تک اب رب العالمین کی طرف سے نہ

کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی نوشتۂ ہدایت آئے گا، اس لیے اس کتاب کے پوری انسانی برادری کے لیے ضابطۂ زندگی اور اس کے عظیم المرتبت حامل محبوب خدا، سیدالمرسلین ﷺ کے پوری دنیائے انسانیت کے لیے ہادی ومرشد ہونے کی بات ناقابل تردید حقیقت بن جاتی ہے۔ قرآن مجید جب پوری انسانی برادری کے لیے ہے۹؎ تو اس میں بھی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ آپؐ کی سیرت پاک بھی یا آپؐ کی تعلیمات بھی پوری انسانی برادری کے لیے ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسولؐ اللہ کی اطاعت کا تکرار کے ساتھ حکم کیا جانا،۱۰؎ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو اللہ کی محبت کی دلیل قرار دیا جانا۱۱؎، وحیٔ الٰہی کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی گویائی کا اعلان ۱۲؎ اور اخلاق حسنہ کی انتہائی بلندی پر آپ کے متمکن ہونے کا اعلامیہ ۱۳؎، آپؐ پر اللہ رب العزت کی مخصوص عنایت والتفات کا اظہار، ۱۴؎ آپ کی انتہائی موقر ومحترم شخصیت کے قانون ساز ہونے کی بندگان خدا کو تعلیم وتذکیر ۱۵؎ اور ساری دنیا کے لیے آپ کے سراپا رحمت ۱۶؎ اور معارف الٰہیہ کے شارح اور مفسر ہونے کی سند ۱۷؎، یہ سارے حقائق اس امر کو تشنۂ وضاحت نہیں چھوڑتے کہ آپ ﷺ کی شخصیت عالمگیر کتاب ہدایت کی تفسیر ہے اور ہر اس شخص کے لیے بہترین نمونہ عمل ہے جو اللہ کی رضا اور آخرت کی فوز وفلاح کا امیدوار ہو جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰه اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الآخِرَ وذَكَرَ اللّٰه كَثِيْراً ۱۸؎

[اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔]

آج پوری دنیا میں حقوق انسانی کا موضوع دلچسپ اور مرکز توجہ بنا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں ہفتہ اور عشرہ تقریبات منائی جارہی ہیں، مقالات اور کتابیں منظر عام پر آرہی ہیں، سمینار اور سیمپوزیم منعقد کیے جارہے ہیں، علاقائی، ضلعی، صوبائی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر پرجوش مذاکرات ہورہے

ہیں، لیکن سچ تو یہ ہے کہ حقوق انسانی کے پرچم تلے پامالیٔ حقوق کے المناک اور دلدوز مظاہر سامنے آرہے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ہر فرد اور ہر گروہ، ہر قوم اور ہر ملک اپنے حقوق کی بازیافت کے لیے تو کوشاں اور سرگرم عمل ہے، لیکن دوسروں کے تئیں اپنے فرائض کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک خطہ دوسرے خطہ پر، ایک قوم دوسری قوم پر ،ایک مذہب دوسرے مذہب پر اور ایک ملک دوسرے ملک پر جارحانہ اقدامات اور غاصبانہ کارروائیوں کو طرۂ امتیاز قرار دیتا ہے اور نتیجہ یوں سامنے آتا ہے کہ 'مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی' ۔ خالق کائنات کے سلسلے میں صاف وشفاف تصور رکھنا اور خالق ومخلوق کے رشتے کو عبد ومعبود کے رشتے سے تعبیر کرنا، دنیا کے تمام انسانوں کو ایک ہی ماں باپ کی اولاد قرار دیا جانا اور اس بنا پر عالمگیر اخوت ومحبت کے رشتے سے تمام بنی نوع انسان کو منسلک کردینا، اس دنیائے فانی اور یہاں کی زوال پذیر لذتوں کے بعد ابدی اور لافانی دنیا اور وہاں کی دائمی لذتوں کے تصور کو فروغ دینا ،زندگی کو امانت سمجھتے ہوئے زندگی دینے والے کے سامنے جوابدہی کا احساس وشعور پیدا کرنا، ہر فرد بشر اور ہر گروہ انسانی کی عزت وناموس کی حفاظت اور اس کی جان ومال کی حرمت کی تعلیمات گوش گزار کرنا اور معاشرۂ انسانی کے اہم ترین عنصر، خواتین کی عظمت اور ان کے حقوق ومراعات کی نگہداشت کا علم اٹھانا، یہ وہ بین اور درخشاں تعلیمات ہیں جن کو کماحقہٗ جامۂ عمل پہنادیا جائے تو یقینی طور پر انسانی معاشرہ ہمدردی ومحبت، عدل وانصاف، اخوت وبھائی چارگی، امن وآشتی اور خیر وفلاح کا نقیب وعلمبردار بن جائے گا اور انفرادی واجتماعی طور پر انسان ایک دوسرے کی عظمت ورفعت کا پاسباں بن جائے گا۔

تمام انسان اللہ کے خاندان کے لوگ ہیں۔[۱۹] اللہ سے محبت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے محبت کی جائے اوران کے ساتھ رحمت ورافت، عدل ومساوات اور ہمدردی وغمگساری کا معاملہ کیاجائے۔ بندوں کا حق ہے کہ ان کی جان ،مال اورعزت وآبرو کی حفاظت کی جائے۔ سارے بندگان خدا ایک دوسرے کےکسی نہ کسی حد تک حسن سلوک اور محبت کے محتاج ہیں۔ اسی طرح سارے بندگان خدا پر کسی نہ کسی حد تک فرائض ہیں اور ان کی ادائیگی کے بغیر وہ اللہ کی بارگاہ میں بری الذمہ قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ حقوق العباد کے تلف کرنے یاحقوق انسانی کی پامالی پر جس سنگین صورت حال سے ایک شخص کو سابقہ پڑے گا اس کی تصویر کشی سرورکونین ﷺ کے ان الفاظ

سے ہوتی ہے:

قال أتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لاَ دِرْهَمَ لَهٗ وَلاَمَتَاعَ فَقَالَ انّ الْمُفْلِسَ مِنْ امّتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلوٰةٍ وَصِيَامٍ وزَكوٰةٍ وَيَاتِى قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذا وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَم هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطِىْ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِه فَاِن فَنِيَتْ حَسَنَاتُه قَبْلَ اَن يُّقْضٰى مَاعَلَيهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهِمْ فَطُرِحَتْ عَلَيه ثُمَّ طُرِحَ فِى النَّارِ[۲۰]

[رسول اکرم ﷺ نے دریافت کیا کہ لوگو! جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہمارے درمیان مفلس وہ ہے جس کے پاس مال ودرہم نہیں ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس دراصل وہ ہے جو روز قیامت نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ اس حال میں آیا ہو کہ اس نے کسی کو گالی دیا ہو، کسی پر بہتان لگایا ہو، کسی کا مال اور کسی کا خون بہایا ہو اور کسی کو مارا ہو، پس جن جن پر ظلم ہوا ہوگا ان کے پلڑے میں اس ظالم (جو نمازی، روزہ دار اور صاحب زکوٰۃ تھا) کی نیکیاں ڈال دی جائیں گی۔ اگر مظلومین کے حساب چکائے جانے سے قبل ظالم کی نیکیاں ختم ہوجائیں تو اب مظلوموں کی خطائیں (ظلم کے بقدر) اس ظالم کے پلڑے میں ڈال دی جائیں گی، یہاں تک کہ اسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا]

آج پوری دنیا میں انسانی حقوق کی بحالی کی جو بھی تحریکیں چل رہی ہیں یا اس سے متعلق جو مساعی انجام دی جارہی ہیں، بلاشک وتردد لائق ستائش اور قابل مبارک باد ہیں۔ لیکن ہر چہار جانب حقوق انسانی کے تحفظ کی گونج کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنے حقوق کے تئیں تو بہت چاق وچوبند ہے اور اس کی یافت میں سرگرمیٔ علم کا خوب سے خوب تر مظاہرہ کرتا ہے لیکن اپنے فرائض وواجبات کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے متعلق یکسر غافل وکوتاہ رہتا ہے۔

اس کائنات کا شاہکار (Masterpiece) انسان ہے اور کائنات کے مالک حقیقی کا دیا گیا محفوظ ومامون اور آفاقی ضابطۂ زندگی قرآن مجید (Universal Code of Life) کا موضوع بھی انسان

ہے۔قرآن مجید کی ساری تعلیمات انسانوں کو حقوق وفرائض کا علمبردار و پاسباں بنا کر اس سعادت وکامرانی کی ضمانت دیتی ہیں جو دنیا کی فانی وتغیر پذیر لذتوں اور آسائشوں اور موت کے بعد کی زندگی کی ابدی اورلازوال راحتوں اور مسرتوں کو محیط ہے۔خاتم الانبیاء رسول عربی ﷺ چونکہ رہتی دنیا تک کے لیے آفاقی اور عالمگیر کتاب کے حامل وترجمان ہیں۲۱ بلکہ قرآن مجید کی عملی تفسیر ہیں، آپ کی ذات گرامی موجودات عالم کے لیے رحمت ہے،۲۲ آپ کی بعثت مبارکہ ملک ووطن اور قوم ونسل سے پرے قیامت تک کے انسانی برادری کے لیے ہے، اس لیے آپ کی تعلیمات بھی آفاقی ہیں اور بلاشک وتردد جغرافیائی حدود وقیود سے بالا اوررنگ ونسل کے امتیاز سے مافوق انسانی برادری کا ہر شخص وگروہ ان تعلیمات نبوی کا مخاطب ہے۔ یوں بھی اس کی تعبیر کی جاسکتی ہے کہ تعلیمات نبوی کا فیض انسانی برادری کے ہر طبقہ، ہر گروہ اور ہر مسلک کے لیے ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی ذات کی عظمت کاراز اسی میں مضمر ہے کہ آپ کی سیرت طیبہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے اور نہ ہی آپؐ کی ذات سے عقیدت کا حق صرف کلمۂ طیبہ کے بول بول کر حلقۂ اسلام میں شامل ہونے والوں کو ہے۔ اللہ رب العزت کی محبت کا دعویٰ اس صداقت سے آشکار ہوتا ہے کہ اللہ کے رسولؐ سے محبت ہو۔ ۲۳ اور یہ بھی سچ ہے کہ رسول ﷺ سے جس کو محبت ہوگی، آپؐ کے گفتار وکردار اور آپ کے طریقہ سے بھی لازماً محبت ہوگی، جبھی حقیقی معنوں میں محبوبیت الٰہی کی سند سے سرفرازی حاصل ہوگی۔

یوں تو سرورکونین اور خاتم الانبیاء ﷺ کی ترسٹھ سالہ حیات مبارکہ کا ایک ایک روزنامچہ اتنا صاف وشفاف اور روشن وتاباں ہے کہ اس پر دوست اور دشمن دونوں طرف سے انگشت نمائی بعید از قیاس ہے۔ اگر کوئی فرد یا معاشرہ صحیح معنوں میں ان روز ناموں کے مشتملات کو اپنی زندگی کا لائحۂ عمل بنالے تو وہ صبر وقناعت، امن وعافیت اور انسانیت نوازی و بشر دوستی کی نعمتوں سے مالا مال ہوکر اس فانی اور زوال پذیر زندگی کو بھی خوشگوار بنالے اور آخرت کی سرمدی کامیابی کی کلید بھی اس کے ہاتھ آجائے۔

دس ہجری کا حج رسالت مآب ﷺ کا پہلااور آخری حج تھا جو حجۃ الوداع سے موسوم ہے۔ عرفات کے میدان میں فدایان اسلام اورآپ کے معزز رفقاء کی تعداد کم وبیش سوا لاکھ تھی۔ اس میں جو خطبہ دیا تھا اس کے مباحث ومشتملات تاریخی، ہمہ گیر اور آفاقی ہیں اور جو حجۃ الوداع کے نام سے

معروف ہے، جس میں عدل وانصاف کا ہر پیامی، اخوت و مساوات کا ہر علمبردار، انسانی عظمت ورفعت کا ہر نقیب اورحقوق انسانی کا ہر مداح وپاسباں، معاشرہ انسانی کو امن وعافیت کا گھوارہ بنانے کے لیے وافر مواد پاتا ہے، بشرطیکہ وہ مفروضات وتحفظات (Suppositions and Reserv ations) سے قطع نظر اور تعصب وجانب داری کی عینک اتار پھینک کر حقائق ومعارف سے آگہی حاصل کرنے کا متمنی اور خاتم الانبیاء محمد عربی ﷺ کے دیئے گئے نقوش راہ کے مطابق سعی وعمل کا خواہاں وخوگر بن جائے۔

آج معاشرۂ انسانی جن مختلف برائیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، ان میں نقص عہد اور خباثت عام ہے۔ معاشرہ چاہے ایمان سے شرفیاب ہونے والوں کا ہو یا ایمان وایقان کی نعمت سے محروم افراد اور طبقہ انسانی کا، انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر، ہر زاویے سے کم وبیش ہر فرد وجماعت اس مرض کے چنگل میں ہے۔ اس برائی کا مرتکب یا اس مرض کا گرفتار شخص صرف اپنی ذات پر ہی اثر نہیں چھوڑتا بلکہ اعزاء واقرباء اور اغیار واجانب بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے قربت ومحبت کے بجائے بغض ونفرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی امانتوں کی عدم ادائیگی اوراس قسم کے طرزِعمل پر اصرار کرنے کے نتیجے میں آپسی تعلقات مجروح ہوتے ہیں اور مخالفت ومخاصمت سے بڑھ کر ایک دوسرے کی ہلاکت وبربادی کے کریہہ اور دلدوز واقعات بھی مشاہدے میں آتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر امانتوں کی حفاظت کی جائے اور امانت صاحب امانت تک پہنچ جائے تو ایک دوسرے کی چیزوں کی حفاظت بھی ہوتی ہے، تعلقات میں بھی خوشگواری پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے پر اعتماد بڑھتا ہے اور ماحول ومعاشرہ خوشگوار حالات سے ہمکنار ہوتا ہے۔ کتاب الٰہی میں امانتوں کی ادائیگی سے متعلق یہ فرمان واضح ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا [24]

[یقیناً اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔]

دینداری دو قسم کے حقوق کی ادائیگی سے عبارت ہے، ایک کو حقوق اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرے کو حقوق العباد سے ۔ دوسرے قسم کے حقوق کو عصر حاضر میں حقوق انسانی (Human Rights) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اللہ پر ایمان خالص، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے علاوہ تلاوت کلام پاک، اوراد ووظائف کا اہتمام وغیرہ حقوق اللہ میں ہیں۔ کتاب اللہ کی تعلیمات اس سلسلے میں

بہت واضح ہیں کہ اللہ رب العزت مستغنی و بے نیاز ہے اور ساری دنیا اس کی نیاز مند ہے اور دنیا کے تمام شاہ وگدا اسی ذات واحد کے محتاج اور بھکاری ہیں۔ چنانچہ ذات باری تعالیٰ سے متعلق حقوق کی ادائیگی میں اگر تقصیر ہوگئی ہے تو اس کی صفت استغناء اور شان رحمانیت سے امید کی جاتی ہے کہ اس قسم کی کوتاہیوں پر وہ خط عفو پھیر دے گا۔ اس کے برعکس اللہ کے بندوں کے حقوق سے غفلت و بے اعتنائی اور کمی وکوتاہی بہت ہی سنگین بن جاتی ہے۔ اللہ کے بندے خواہ والدین کی شکل میں ہوں یا بھائی بہن اور اعزاء واقارب کی شکل میں، احباب ورفقاء ہوں یا اغیار و اجانب، ایمان و ایقان کی نعمت غیر مترقبہ سے بہرہ ورحضرات ہوں یا کفر وشرک کی آلائشوں میں ملوث افراد، طبقۂ انسانی کے یہ تمام افراد ایک دوسرے کے تئیں حقوق وفرائض رکھتے ہیں۔ ان کے حقوق کے تئیں فرائض وواجبات کی ادائیگی میں اگر کوتاہی ہوئی اور اسی دنیا میں اگر تلافیٔ مافات نہیں ہوئی تو قرآن وسنت کی تعلیمات اس سلسلے میں بہت واضح ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے متعلق سارے حقوق کی ادائیگی کے باوجود یوم الجزاء (The Day of Judgment) میں اس کی خستہ حالی اور دیوالیہ پن قابل دیدنی ہوگی۔

خاتم الانبیاء ﷺ وحی الٰہی کے ترجمان ہیں۔ آپ کے فرمودات اللہ رب العزت کی رضا وخوشودی کی سند ہیں، اس لیے کہ آپ ہوائے نفس سے تکلم نہیں فرماتے[۲۵] اور آپ کی اتباع میں خالق دوجہاں اور ربّ العالمین کی خوشنودی کا راز مضمر ہے۔ حیات طیبہ کی تیئس سالہ مدت میں عرب وعجم میں دین اسلام کے غلبہ وتمکنت کا جو پرچم آپ نے لہرایا تھا اور تاحین حیات بنی نوع انسان کی رشد وہدایت اور ان کی کامیابی وکامرانی کے تئیں جس فکر واضمحلال اور اضطراب وبے چینی کا سراپا مجسم بنے ہوئے تھے، آپ کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ الوداعی حج کے موقع پر آپ انسانیت کو اپنے فرمودات کی شکل میں الٰہی ضابطہ حیات کی تفسیر وتذکیر نہ فرماتے:

آپ نے **امانتوں کی ادائیگی** سے متعلق فرمان باری تعالیٰ کی تذکیر کرائی اور 'رَحمۃٌ لِلّعَالمین' کی حیثیت سے ساری دنیا کے اس نمائندہ اجتماع اسلامی کو جو پیغام دیا تھا اس میں ایک بہت جامع تعلیم یہ تھی:

فَمَنْ کَانَتْ عِنْدَہُ أَمَانَۃٌ فَلْیُؤَدّھَا اِلی مَنْ ائْتَمَنَہ عَلَیْھَا [۲۶]

[پس جس کے پاس کوئی امانت ہو، اسے چاہیے کہ صاحب امانت تک اسے پہنچادے۔]

امانت سے مراد ایک تو وہ امانت ہے جو مال واسباب اور زر وزمین کی شکل میں ایک دوسرے کے حوالے کی جاتی ہے۔ اس شکل میں امانت کی حفاظت سے مراد یہ ہوگی کہ اس کی تاحد امکان حفاظت کی جائے، اس میں قطع وبرید اور حذف واضافہ روا نہ رکھا جائے، اپنے جان ومال کی طرح اس کی حفاظت کی جائے اور اس کی وقت پر ادائیگی میں لیت ولعل اور قیل وقال سے کام نہ لیا جائے اور نہ ہی کوئی عذر لنگ (Lame Excuse) پیش کیا جائے۔

امانت کے اس جامع لفظ میں یہ **مفہوم شامل ہے** کہ انسان کا مال، جان، وقت اور ساری نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں، انسان ان کا مالک نہیں ہے۔ یہ بیش بہا نعمتیں جس منعم حقیقی نے عنایت کی ہیں، اسے پوچھنے کا بے شک ولاریب حق حاصل ہے۔ اسی لیے تو فرمایا:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۲۷

[پھر تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔]

انہی نعمتوں کی بابت رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس آخری خطبہ سے پہلے بھی ارشاد فرمایا تھا کہ زندگی کو موت سے پہلے، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو مرض سے پہلے، فرصت کو مشغولیت سے پہلے اور غنا کو فقر سے پہلے غنیمت جانو۔۲۸ اسی طرح ایک موقع پر آپ کا ارشاد تھا کہ ہر بندے سے پوری زندگی، جوانی، دولت کمانے، دولت خرچ کرنے اور علم کے مطابق عمل کرنے کے بارے میں یقینی طور پر پرسش ہوگی۔۲۹ گویا اس پہلو سے امانت کی ادائیگی کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان امانتوں کا استعمال اللہ کی مرضی کے مطابق ہوا یا نہیں، کیوں کہ یہ بات معروف ہے کہ امین مالک نہیں ہوتا بلکہ مالک کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔

تیسرا اور مہتم بالشان مفہوم یہ ہے کہ جان، مال، وقت، جوانی اور فرصت وغیرہ، یہ سب مادی اور زوال پذیر نعمتیں ہیں۔ سب سے بڑی نعمت تو وہ نعمت ہے جو آدمی کو انسان بنادے یا دوسرے الفاظ میں اس نعمت کی تعبیر یوں کی جاسکتی ہے کہ جو انسان کو انسانیت کی معراج تک پہنچادے۔ اللہ رب العزت کی عطا کردہ نعمتوں میں دین ومذہب سب سے اعلیٰ وافضل اور مستحکم وپائیدار نعمت ہے۔ مذہب اسلام کو اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کا شرف حاصل ہے۔ اس کے علاوہ جتنے ادیان ومذاہب ہیں وہ یا تو انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں یا پوری انسانی برادری کے لیے منتخب کیے

گئے مذہب میں حذف واضافہ اور تغیر وتبدل کا شکار رہیں۔ دنیا میں بشمول دیگر کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کے خالق ومالک نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہو۔ واحد قرآن مجید وہ کتاب الٰہی ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ رب العزت نے لیا ۳۰ اور ساڑھے چودہ سو سالہ اس چیلنج کو ایک حرف اور ایک نقطہ کی بھی تبدیلی سے پامال نہیں کیا جاسکا۔ اسی کتاب میں دین اسلام کے مکمل اور خالق کائنات کے پسندیدہ دین ہونے کا اعلان ہوتا ہے۔ ۳۱ اسی کتاب الٰہی اور عالمگیر ضابطۂ زندگی میں یہ اعلان بھی ہے کہ یہی دین وطریقۂ زندگی حضرت آدمؑ کا بھی تھا، حضرت نوحؑ کا بھی تھا اور یہی طریقۂ حیات حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی دیا گیا تھا اور سب کو اسی کے عام کرنے بلکہ قائم کرنے کی وصیت کی گئی تھی۔

اس سیاق وسباق میں امانتوں کو صاحب امانت تک پہنچانے کے اس پیغام نبوی ﷺ کی حقیقت یوں آشکار ہوتی ہے کہ اسلام اہل اسلام کے لیے اللہ رب العزت کی طرف سے امانت عظمیٰ ہے اور یہ کہ صرف مسلمان اس دین و مذہب کے وارث اور مالک نہیں ہیں۔ یہ اسلام پوری دنیا کے لیے ہے جس کی جابجا وضاحت اس کے مستند ترین منشور قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ چنانچہ کلمۂ طیبہ کے انقلابی بولوں کے ذریعہ حلقہ اسلام میں شامل ہونے والے افراد اور جماعتوں کی حیثیت اللہ رب العزت کے اس دین حنیف کے امینوں کی ہے، اور یہ امانت ان بندگان خدا تک پہنچائی جائے گی جو اس کی دانستہ یا نادانستہ ناقدری کررہے ہیں یا جو کسی وجہ سے بھی اللہ کے دین کی قبولیت اور اس کی عظیم ترین روحانی نعمت سے محروم ہیں۔ امین ہونے کی حیثیت سے یہ ذمہ داری امت مسلمہ کے ہر ہر فرد پر ہے، اس لیے کہ اس دین حنیف سے جڑنے اور اس عظیم ترین نعمت سے شرفیاب ہونے کے بعد حیثیت واستعداد کے مطابق ہر فرد امت کو پوری انسانی برادری کی نفع رسانی کے لیے فکر مند بنایا جاتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شکل میں اس فرض منصبی سے عہدہ برآ ہونے کی تلقین کی جاتی ہے۔ ۳۲

انسانوں کے مال، جان اور عزت کا احترام دنیا کے اہم ترین مسائل میں ہے۔ آج انسانی جان کی حرمت ختم ہوچکی ہے، اس کی عزت سے کھلواڑ کیا جارہا ہے، اس کی دولت پر غاصبانہ حملے ہورہے ہیں، دہشت گردی کے انسداد کے پرچم تلے بڑے پیمانے پر دہشت گردی کی جارہی ہے،

جمہوریت کی بحالی کے سبز باغ دکھا کر لاکھوں انسانوں کی جانیں لی جارہی ہیں، انسانوں کی عزتوں کا سودا کیا جارہا ہے اور ان کے مالوں کو ہڑپ کیا جارہا ہے۔ ایسے حالات میں پوری دنیا کو بالعموم اور مخالفین اسلام کو بالخصوص مذہب اسلام کی اس درخشاں اور انسانیت نواز تعلیم پر دعوت فکر وعمل دی جاتی ہے کہ ایک انسان کا خون ناحق ساری انسانیت کے قتل کے برابر ہے، اسی طرح ایک انسان کو بچالینا یا اس کی زندگی کا سبب بننا ساری انسانیت کو زندگی دینے کے مترادف ہے ۳۳۔ اسی طرح عزتوں کی پامالی کی بات ہو یا مال وجائیداد پر ناحق قبضہ کا معاملہ، اس سلسلے میں اسلام کی روشن تعلیم قابل ملاحظہ ہے کہ اسلام کسی قسم کے ظلم کو برداشت نہیں کرتا اور ظالم کے ظلم کو شہ نہیں دیتا۔ عزت وعفت کی پامالی اور مال وجان کی بے حرمتی کے اس تناظر میں آخری حج کے موقع پر رسالت مآب ﷺ کا یہ فرمان انسانی حقوق کی ایک اہم دفعہ کے طور پر احادیث کے مجموعوں اور تاریخ وسیر کے صفحات کی زینت ہے۔ آپ نے فرمایا تھا:

اِنَّ اَموَالَکُم وَدِمَاءَکُم واَعْرَاضَکُم عَلَیکُم حَرامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِی بِلَدِکُمْ هَذا فِی شَهْرِکُمْ هذا۔ ۳۴

[پس یقیناً تمہارے مال، تمہارے خون اور تمہاری عزتیں تم میں سے ایک دوسرے کے لیے اسی طرح محترم ہیں، جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینے میں ہے]

اگر موت کے بعد کی زندگی کے سلسلے میں استحضار ہو اور اپنے خالق حقیقی کے سامنے اپنے اعمال وافعال کی جوابدہی کا یقین ہو تو بلا شبہ انسان اس دنیا میں ذمہ دار اور جوابدہ کی حیثیت سے اپنی زندگی گزارے۔ جس طرح امتحان ہال میں ایک ایک منٹ کا حساب ایک لائق اور ذمہ دار طالب علم رکھتا ہے اسی طرح اگر دنیا کے اس امتحان ہال میں اسی کیفیت کے ساتھ انسان زندگی گزارے تو تقصیرات اور خطائیں تو ہوسکتی ہیں لیکن ان پر جرأت وڈھٹائی کا مظاہرہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ایک انسان دوسرے انسان کے تئیں درپۂ آزار ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ موت کے بعد کی زندگی میں ایک طرف خالق ومالک کے سامنے اسے جوابدہ ہونے کا احساس وشعور مہمیز کرتا ہے اور دوسری طرف وہ اس دار العمل یا دار الامتحان سے گزر کر اصل فوز وفلاح کی منزل سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے۔ حقوق

انسانی کے اسی پہلو پر آپ کے اس تاریخی خطبہ کی یہ عبارتیں شاہد عدل ہیں:

اَلاَ لَاتَرْجِعُوا بَعْدِی ضَلاَلاً یَضْرِبُ بَعْضُکُم رِقَابَ بَعْضٍ وسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْئَلُکُمْ عَنْ اعْمَالِکُمْ ۳۵؎

[سنو! میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا، پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔]

آج کا انسان رنگ ونسل ، علاقہ وبرادری اور مسلک ومکتبۂ فکر کے حصار میں اس طرح مقید ہے کہ قابلیت واستعداد اور سیرت وکردار کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے۔ اور انسان جو مذہب اسلام کے مستند ترین ضابطۂ زندگی قرآن مجید کے مطابق عالمگیر برادری کے رشتے سے منسلک تھا، وہ جغرافیائی حدود وقیود اور رنگ ونسل کے فرق وامتیازات کا اسیر بن گیا ہے، چنانچہ وہ اسی نہج سے اپنے معاملات ومسائل کی عقدہ کشائی کے لیے متحرک اور سرگرم عمل رہتا ہے۔ بلاشبہ علم وسائنس کی دنیا میں تو آج کا انسان حذق ومہارت اور صلاحیت واستعداد کا علم بردار بن رہا ہے، لیکن اس ظاہری اور مادی زاویۂ نگاہ کی بنا پر وہ اپنے آپ کو اپنے خالق کا محبوب نہیں بناسکتا اور سچ تو یہ ہے کہ ان تباہ کن امتیازات کو مٹایا نہیں جاسکتا جو پوری دنیا کو ایک توانا عفریت کی شکل میں اپنے خونخوار چنگل میں لیے ہوئے ہیں۔ آج کی جدید جاہلیت میں انہی جغرافیائی حدبندیوں، خطہ اور علاقہ کی بندشوں اور برادری مسلک کے بے جا حصار نے نفرت وعداوت ، بغض و حسد اور کینہ وکدروت کے مسموم جذبات واحساسات کو شہہ دیا ہے جن کے تلخ نتائج ضلعی ، صوبائی، ملکی اور بین الاقوامی طور پر تصادم وآویزش کی شکل میں دعوت ملاحظہ دیتے ہیں۔ نزاکت حالات اور سنگینئ وقت کا تقاضا ہے کہ بھائی چارگی کے اس آفاقی رشتے کو مضبوط ومستحکم کیا جائے جو پوری دنیا کے تمام انسانوں کو ایک ہی ماں باپ کی اولاد قرار دیتا ہے اوران کے ساتھ اسی حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے جو مادی اور خونی رشتے کے بھائی بہنوں میں مطلوب ومقصود ہے۔ انتشار وتشتت ، نفرت وعداوت، بغض وحسد اور تمام قسم کے اخلاقی رذائل میں ملوث انسانی برادری کے لیے رسول اکرم ﷺ کے الوداعی خطبہ کے یہ الفاظ مژدۂ جانفزا ہیں:

اَیُّھَا النَّاسُ اَلاَ انَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَانّ ابَاکُمْ وَاحِدٌ اَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِیٍ عَلٰی

عَجَمِيٍ وَلاَ لِعَجَمِيٍ عَلٰى عَرَبِيٍ وَلاَ لأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا لأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلا بِالتَّقْوٰى[36]

[اے لوگو! سنو، تم لوگوں کا رب ایک ہے اور تم لوگوں کا باپ ایک ہے۔ سنو، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگر (یہ فضیلت) تقویٰ کی بنیاد پر ہوگی۔]

جدید دور میں ہر جگہ **وصف واستعداد** اور **لیاقت وصلاحیت** کے راگ الاپے جارہے ہیں اور اس کو معیارِ مطلوب بنا کر کسی شعبہ، ادارہ، تحریک اور ملک کو ترقی کے گام پر لانے کی سعی مسلسل کی جارہی ہے، چاہے عملی طور پر اس مطلوب ومقصود اثاثہ سے انحراف کی بنا پر نتیجہ خیر اور خاطر خواہ فائدہ حاصل نہ ہورہا ہو۔ اگر انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد سمجھتے ہوئے رشتۂ اخوت کو مضبوط ومستحکم کرلیا جائے اور جغرافیائی، نسلی اور گروہی امتیازات کو کالعدم قرار دیتے ہوئے **خشیت الٰہی یا خوف خدا** کو اصل معیارِ زندگی قرار دے کر[37] انسانوں کے درمیان خط امتیاز قائم کیا جائے اور خوف خدا کے اس خدائی قانون کی پاسداری کو تعصّبات اور مفروضات سے پرے ہوکر لائحۂ عمل قرار دے لیا جائے تو بعید نہیں کہ صوبوں، قوموں اور ملکوں کے درمیان نفرت وعداوت کی سلگتی ہوئی بھٹیاں سرد پڑجائیں، انسان اپنے آپ کو ایک ماں باپ کی اولاد سمجھتے ہوئے شیروشکر ہوکر ملک وقوم کی ترقی کا خواہاں وخوگر ہوجائے اور پوری دنیا میں امن وعافیت اور سلامتی ومحبت کا نقیب وعلمبردار بن کر اس دنیا کو جنت نشاں بنادے۔

تقویٰ اور خوف خدا سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث شریفہ بالخصوص حجۃ الوداع کے موقع پر بطور وصیت زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ پوری دنیا کے انسانوں کو مخاطب بناتے ہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ اگر انسان کا دل اپنے حقیقی خالق کی خشیت یا خوف خدا کا نشیمن بن جائے تو خواہ شب تاریک کی تنہائی ہو یا روشن دن کی ہماہمی اور اژدحام عام، بند کمرہ یا کوٹھری ہو یا کھلا میدان اور وسیع وعریض شاہراہ، دن کی روشنی ہو یا رات کی تاریکی، آبادی ہو یا ویرانہ، ہر جگہ ایسا فرد اپنے خالق ومالک کی مرضی کا تابع ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے حکومت کا کوئی قانون، پولیس کا کوئی ڈنڈا،

معاشرے کی کوئی روایت، احباب ورفقاء کی رو رعایت اور اغیار واجانب کا خوف وخطر، یہ ساری چیزیں انسان کومحدود وقت میں مخصوص مقامات پر تو برائیوں سے روک سکتی ہیں لیکن ہمہ وقت برائیوں سے نبردآزما ہونے اور ان کے خلاف محاذ آرائی کرنے کا سلیقہ خوف خدا کی شکل میں خدا کا قانون ہی سکھاتا ہے[۳۸] اس لیے کہ یہ قانون جسم پر حکمرانی نہیں کرتا بلکہ مزاج، طبیعت اور دل پر حکمرانی کرتا ہے۔ اسی لیے انسان کو یہ اندر سے بدل دیتا ہے اور حقیقی معنوں میں برائیوں سے گریزاں ومجتنب اور اچھائیوں کاداعی وشیدائی بنادیتا ہے۔

انسانوں کے مابین فضیلت وبرتری اسی قانون کی پاسداری کی بنا پر ہے۔ انسانوں کے مابین مساوات اور فضیلت کے باب میں قرآن وسنت کا موقف بہت واضح ہے۔ اقتصادیات یا دیگر معاملات زندگی کے مثبت یا منفی، اچھے یا برے اور خوب یا خوب تر نتائج اپنے اعمال وافعال کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ یہ معقول، صحت مند اور فرد و جماعت کے لیے امید افزا بلکہ حیات آفریں اصول ہے جس کی جگہ جگہ قرآن وسنت میں وضاحت کی گئی ہے۔[۳۹] کمیونزم یا اشتراکیت کا یہ نظریہ کہ روٹی، کپڑا اور مکان سب کو برابر ملنا چاہیے، غیر عقلی، غیر فطری اور غیر صحت مند نظریہ ہے جو فرد اور جماعت کو کام چور، کسی ادارہ یا شعبہ کو جامد ومعطل اور کسی بھی ملک کی ترقی وخوشحالی کو مشکوک ومشتبہ بلکہ غیر یقینی بنادیتا ہے۔ اسلام اس بات کا قائل ہے کہ اس عالم اسباب میں اسباب سبھی کو اختیار کرنا ہے اور جو جتنا اسباب و سائل اختیار کرے اسی کے لحاظ سے اسے نتیجہ یا ثمر ملے، یہ فطری اور عقلی بات ہے۔ ہاں اگر کوئی مفلس، مجبور اور فاقہ کش ہے تو اس کی مجبوری کو ختم کیا جائے گا اور اس کے لیے یکساں اسباب اور مواقع فراہم کیے جائیں گے۔ لیکن سب کے نتائج یکساں برآمد ہوں، اس نظریہ کو اسلام غیر عقلی، غیر فطری بلکہ کسی بھی گھر، شعبہ، ادارہ یا ملک کی ترقی کے مخالف اور مزاحم قرار دیتا ہے۔[۴۰] جس طرح جسم کے نظام کو فعالیت کا مظاہرہ کرنے کے لیے خود انسانی جسم کے اعضاء و جوارح بڑے چھوٹے ہوتے ہیں نیز ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں بڑی چھوٹی ہوتی ہیں۔ اسی طرح کسی شعبہ یا تعلیم گاہ کا نظام قائم رکھنے کے لیے بڑے چھوٹے ملازمین ہوتے ہیں اور کسی ملک کے معیاری ہونے کے لیے اور ملک کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن رکھنے کے لیے چھوٹے بڑے اور عوام وخواص سبھی کی موجودگی ضروری ہوتی ہے اور سبھی کا اپنے اپنے میدان میں منفرد رول ہوتا ہے۔ اسی

طرح انسانی برادری میں اگر کوئی نتیجہ عمل کے لحاظ سے چھوٹا ہے اور کوئی بڑا، کوئی کامیاب ہے تو کوئی ناکام، کوئی خوشحال ہے تو کوئی بدحال، کسی کے رزق میں کشادگی ہے تو کسی کے رزق میں تنگی، اسی متنوع اور متضاد شکلوں میں ہی کائنات کا نظام چل سکتا تھا ورنہ زمین فساد سے بھر جاتی۔[۱۴] اور ہر چہار جانب الامان الحفیظ کی صدائیں گونج رہی ہوتیں۔ انتہا پسندی یا افراط وتفریط کسی مخصوص مسلک ومذہب اور فکر ونظر سے قطع نظر، عقل عام اور ادنیٰ شعور رکھنے والے افراد واشخاص کے نزدیک بھی معیوب ومذموم طریقہ عمل ہے۔ ایک طالب علم کا سال بھر اوباشوں کی سی زندگی گزارنا اور امتحان کے زمانے میں انہماک وتوجہ کا اس طرح مجسمہ بن جانا کہ کھانا پینا، حوائج وضروریات اور آرام وراحت کو بالائے طاق رکھ دے، طالب علم کے لیے محنت ومشقت کا مطلوب طریقہ عمل نہیں ہے۔ ایک کاشتکار جتائی، بوائی اور نرائی کے زمانے میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہو اور عین فصل کی تیاری کے وقت بایں طور متحرک وفعال رہتا ہو کہ وہ کھانے پینے اور دیگر ضروری کام کرنے سے بھی گریزاں ومجتنب ہو، یہ روش بہرحال قابل ستائش نہیں ہے۔ اسی طرح ایک تاجر وکاروباری ہفتوں اور مہینوں اپنی پونجی تک سے غافل رہتا ہو اور کساد بازاری کے زمانے میں انتہائی سعی وکاوش کا نذرانہ پیش کرتا ہو، یہ طرز ادا ایک کامیاب وبامراد تاجر کے شایان شان نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح دین ومذہب کے معاملات میں افراط وتفریط درست نہیں ہے۔ مذہب کے کسی حکم کو بالکل نظر انداز کر دینا اور کسی کو مطلوب ومقصود حد سے بڑھا کر بیان کرنا اور عملی لحاظ سے اس کو وہ اہمیت دینا جس کا وہ مستحق نہیں ہے، یہ دین کے معاملہ میں غلو ہے۔ اہل کتاب کا غلو یہ تھا کہ ایک طرف وہ اللہ کے نبی کو نبی ماننے سے گریز کر رہے تھے اور اس کی شان میں نازیبا کلمات کہنے اور انسانیت سوز حرکتیں کرنے سے بھی متذبذب اور پشیماں نہ ہوتے تھے اور دوسری طرف وقت کے مصلح اعظم اور نبی کو خدا کا بیٹا کہنے سے بھی باک محسوس نہیں کرتے تھے۔

بنی اسرائیل قرآن مجید میں دونوں پہلوؤں سے اقوام عالم کے مقابلے میں نمونۂ عبرت ہے۔ ایک پہلو تو بڑا قابل رشک یہ ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ یہ قوم جب اللہ کی ہوکر رہی اور اللہ کے رسولوں کی تعلیمات پر عمل پیرا رہی تو نوازشوں کی بارش ہوئی، من وسلویٰ نازل ہوا، بادلوں کا سایہ کر دیا گیا اور ایک پتھر سے بارہ بارہ چشمے جاری کر دیئے گئے، گویا کہ پوری دنیا کے لوگوں کے مقابلے

میں فضیلت وبرتری کا تاج ان کے سروں پر رکھا گیا۔ اور ایک زمانہ وہ تھا جب اللہ کے احکام کی پامالی کو اس قوم نے اپنی فطرت ثانیہ بنالیا اور انبیاء ورسل کے خلاف گھناؤنے کاموں کو شیوۂ حیات بنالیا تو ان کے ضال ومغضوب ہونے کا اعلان کردیا گیا۔ ۴۲ دین میں افرا وتفریط اور حد اعتدال سے گزرنے کا انجام اللہ کے غیض وغضب کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ ماضی کی تباہ شدہ قوموں کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ اس گھناؤنے جرم میں ملوث تھے۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کے واسطے سے امت مسلمہ کو اس مہلک مرض سے نجات پانے کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُواْ فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلاَ تَتَّبِعُواْ أَهْوَاء قَوْمٍ قَدْ ضَلُّواْ مِن قَبْلُ وَأَضَلُّواْ كَثِيراً وَّضَلُّواْ عَن سَوَاء السَّبِيْلِ ۴۳

[کہہ دیجیے اے نبی ! اے اہل کتاب، اپنے دین کے معاملے میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔]

امت مسلمہ کو اہل کتاب کی روش بد سے اجتناب کی تلقین ایک جگہ یوں کی جاتی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ ...وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۴۴

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے خود ان کو وجود سے بھلوادیا۔ وہ لوگ فاسق تھے۔]

الوداعی حج کے موقع پر فرزندان اسلام کو آپ وصیت فرمارہے تھے تو قوموں کے عروج واقبال اور غلبہ واقتدار کے رموز اور ان کے زوال وادبار اور تنزلی وانحطاط کے اسباب کو کیوں کر فراموش کرتے۔ یہاں فرزندان توحید سے براہ راست مخاطب تھے، لیکن یہ بات صرف فرزندان توحید کے لیے نہیں تھی بلکہ تمام اقوام وملل کے لیے عام تھی۔ چوں کہ آپ رحمۃٌ للّعالمین تھے اور آپ کے بعد کوئی نیا نبی اور نئی شریعت نہیں آنے والی تھی، اس لیے زندگی کے اس اہم ترین موقع پر آپ نے جو جامع تعلیم فرمائی تھی، اس کے مقدس بول یہ تھے:

اِیَّاکُمْ وَالْغُلُوَّ فِی الدِّیْنِ فَاِنَّمَا اَھْلَکَ قَبْلَکُمُ الغُلُوّفِی الدِّیْن ۴۵

[خبردار! دین میں تم لوگ غلو سے بچنا، اس لیے کہ تم سے پہلے کے لوگوں کو اسی غلو فی الدین نے ہلاک وبرباد کیا تھا۔]

اللہ ایک ہے، وہ اپنی ذات میں، اپنی صفات میں اور اپنے اختیارات میں اکیلا ہے،۴۶ وہی حاضر وناظر ۴۷ اور عالم الغیب ہے،۴۸ وہی غالب وقاہر اور ہر چیز پر قادر ہے۔۴۹ اور نفع ونقصان کا مالک وہی ہے۔ پوری دنیا مل کر اگر کسی کو نفع پہنچانا چاہے اور اللہ کی مرضی نہ ہو تو پوری دنیا مل کر کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتی، اسی طرح اگر پوری دنیا مل کر کسی کو نقصان پہنچانا چاہے اور اللہ رب العزت کا یہ منشا نہ ہو تو پوری دنیا کی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔۵۰ محمد عربی ﷺ اللہ کے آخری اور محبوب ترین رسولؐ ہیں۔ آپ کی اتباع میں ہی اللہ کی رضا وخوشنودی کا راز مضمر ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت گویا اللہ کی اطاعت ہے۔ اس لیے اللہ کا رسول ﷺ اپنی خواہشات سے نطق وگویائی نہیں کرتا۔

ان قرآنی حقائق کے باوجود آج قرآن وسنت کی علمبردار امت خیموں میں بٹی نظر آتی ہے۔اور سچ تو یہ ہے کہ دین کے معاملے میں غلو نے امت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا ہے۔ امت جو امت مسلمہ تھی اور دین وعقیدہ کے لحاظ سے امت واحدۃ کے لبادے میں ملبوس تھی، آج مختلف مسالک اور مکاتیب فکر میں منقسم ہے۔ایک دوسرے کے کیمپ میں اتنی شدت اور انتہا پسندی ہے کہ ایک دوسرے کا وجود ناقابل برداشت ہورہا ہے۔ کہیں اس بنیاد پر اختلاف ہے کہ **امت کا ایک گروہ** عظمت رسول ﷺ کے عقیدہ میں اس قدر آگے بڑھ گیا ہے کہ اس نے خالق ومخلوق کی صفات کو بالائے طاق رکھ دیا اور دونوں کو ایک ہی صف میں لاکھڑا کیا۔ یقیناً عظمت رسول ﷺ کا کوئی اگر منکر ہے تو وہ مسلمان نہیں ہے اور اللہ پر ایمان کا دعویٰ باطل ہے، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے مقام ومرتبہ کو یکساں قرار دینا، گویا عابد ومعبود اور خالق ومخلوق کے فرق وامتیاز کو ختم کردینا ہے۔قرآن مجید کی متعدد آیتوں کی روشنی میں ۵۱ یہ عقیدہ صحت واعتدال کی میزان پر نہیں اترتا۔اس عقیدے کے علمبردار ایک صف میں نظر آتے ہیں تو دوسری صف میں **وہ حضرات** ہیں جو اللہ کی رضا کے حصول کا

ذریعہ اتباع رسولؐ کو قرار دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک خوشنودئ رب کا پروانہ حاصل ہی نہیں ہوسکتا جب تک رسولؐ اللہ کی اطاعت اور ان کے طریقۂ زندگی کی اتباع نہ ہو۔ اس مکتبۂ فکر میں رسول اللہ ﷺ جسمانی ساخت اور حوائج وضروریات کے اعتبار سے ہمارے ہی جیسے عام انسانوں کی طرح تھے، ہاں آپ اللہ رب العزت کی وحی سے شرفیاب تھے۔۵۲ نیز آپ سردار انبیاء اور خاتم النبیینؐ تھے۔۵۳ اہل ایمان کا یہ گروہ ان حقائق کا قائل ومداح ہے کہ آپ اخلاق فاضلہ کی انتہائی بلندیوں پر تھے،۵۴ محبت الٰہی کی سند آپ کے طریقہ پر چل کر ہی مل سکتی ہے۔۵۵ آپؐ کے مقام ومرتبہ پر اللہ رب العزت بھی جگہ جگہ اپنی کتاب عزیز میں نعت گو ہے اور اس کے کارخانۂ قدرت کا انتظام وانصرام کرنے والے فرشتے درود بھیجتے رہتے ہیں اور اس عمل مبارک کی تلقین ایمان لانے والوں سے بھی کی جاتی ہے۔۵۶ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ رب العزت سے ملنے کا امیدوار اور یوم آخرت کا متمنی ہو، آپ کی حیات مبارکہ اسوۂ عمل اور نمونۂ زندگی ہے،۵۷ یہ سارے حقائق ومعارف قرآن مجید سے ہی مترشح ہوتے ہیں اور صداقت تو اس امر میں ہے کہ رسول اکرمؐ کی عظمت وشان ان الٰہی حقائق کے اعتراف میں مضمر ہے۔ اگرچہ یہ صحت مند اور قرآن وسنت کے شایان شان عقیدہ ہے، تاہم رسول اکرم ﷺ سے متعلق ایمان وعقیدہ کے اس ڈگر پر چلنے والا گروہ اول الذکر گروہ امت سے منفرد سمجھا جاتا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو حدیث اور سنت کا منکر ہوتے ہوئے قرآن مجید سے ہی اپنے تعلق خاطر کا دعویدار ہے اور اہل قرآن سے اپنے آپ کو موسوم کرتا ہے تو ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو احادیث نبویہ کو ہی قولاً اور عملاً مستند ترین ماخذ سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو اہل حدیث سے ملقب کرتا ہے، یہ طبقہ بہت حد تک قرآنی تعلیمات سے استشہاد سے بے نیازی برتتا ہے۔

امت اسلامیہ عالم کے درمیان افراط وتفریط اور حد سے انحراف وتجاوز کی شکلیں یقینی طور پر دین اسلام کے حقیقی چہرے پر بدنما داغ اور ملت اسلامیہ کے لیے چیلنج ہیں، جس کی بنا پر اسلام کی شبیہ ملکی اور عالمی سطح پر خراب ہوتی ہے اور یہ عملی طور پر بندگان خدا کو دین حنیف سے برگشتہ کرنے کی سعئ نامشکور بن جاتی ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں غلو اور انتہا پسندی کا بھی مہلک اور خطرناک مرض ہے۔ آج پورا عالم انتہا پسندی، شدت اور حد اعتدال سے تجاوز کو مذموم سمجھتا ہے اور صحیح معنوں میں اس مرض کے ساتھ دینی اور دنیوی دونوں پہلوؤں سے زندگی پرآشوب اور پُرخطر بن جاتی ہے۔

ایسے حالات میں اللہ رب العزت کی سب سے بڑی امانت اسلام کے علمبرداروں کے لیے بالخصوص اورتمام دنیائے انسانیت کے لیے بالعموم دین ومذہب میں غلو وانتہا پسندی سے اجتناب کی وصیت معنی خیز اور مثبت وخوشگوار اثرات ونتائج پیدا کرنے کی ضامن ہے۔

آج حقوق نسواں کی بات بڑے زور وشور سے کی جارہی ہے۔ پوری دنیا میں اس کی حریت وآزادی کو مسئلہ بنا کر منظّم انداز میں بڑے پیمانے پر پیش کیا جارہا ہے۔ اسلام کے مطابق عورت اور مرد دونوں کا مقام مسلم ہے، ان میں سے کوئی کسی سے فروتر نہیں ہے اور دونوں کو دینوی اور اخروی سعادت وکامرانی کے حصول کا حق حاصل ہے۔ ہاں دونوں کے دائرہ کار الگ الگ ہیں اور ذمہ داریاں مختلف ہیں۔عورت اگر گھر کی ملکہ، اپنے بچوں کی کل وقتی مربیہ (Fulltime Patron) اور گھر کے اس کارخانہ کی اصل ذمہ دار ہے تو مرد باہر کی دنیا کا سفیر، اقتصادی امور کا ذمہ دار اور تمام خارجی معاملات کا نگراں ہے۔ اپنی فطرت اور اپنی صلاحیت کے مطابق یہ دونوں شریک یا ساجھی دار اگر ذمہ داریاں انجام دیں تو مثبت اور موثر نتائج سامنے آئیں گے، بصورتِ دیگر فطرت سے انحراف اور اپنی صلاحیتوں کے بے جا استعمال سے دونوں کی شخصیت مجروح ہوگی اور خوش آئند ثمرات ونتائج کی توقع بے معنی اور بے سود ہوگی۔

اسلام عورت کی عزت عصمت کا محافظ ہے۔ چنانچہ یہ اس کا اصل میدان کار گھر کو قرار دیتا ہے۔ بچوں کی تعلیم وتربیت اور گھر کے حسن انتظام کی شکل میں اس کی صلاحیتوں کے جوہر گھر میں ہی آشکار ہوتے ہیں۔عورت کو گھر سے باہر نکالنے کی آواز بلند کرنا، بے پردہ ہوکر ہوس پرستوں کے بیچ لے آنا، ہوائی جہازوں میں ایرہوسٹس اور دفتروں کی زینت بنانا، بہرحال عورت کی عزت وعصمت کے خلاف عالمی طور پر منظّم اور گھناؤنی سازش اور عورت کے حقوق کی پامالی وبے حرمتی ہے۔ ماں کی حیثیت سے، شریکہ حیات کی حیثیت سے، بہن کی حیثیت سے اور بہو وبیٹی کی حیثیت سے عورت کی عظمت کو جگہ جگہ قرآن وسنت میں واضح کیا گیا ہے اور ان کے حقوق کی صراحت کی گئی ہے۔ آج اکیسویں صدی میں عورت کی مظلومیت کی داستان سنائی جارہی ہے اور سطحی اور مذموم مقاصد کے تحت عورت کے حقوق کی بات کی جارہی ہے۔ حقوق نسواں کے نمائندوں کو اور آزادیٔ نسواں کے علمبرداروں کو دعوت فکر ونظر دی جاتی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اور اس کے آخری

رسول محمد عربی ﷺ نے اس وقت حقوق نسواں کی تحریک برپا کی تھی جب کہ یورپ تاریکیوں میں گم تھا اورعورت محض تفریح طبع کا سامان اور بچہ پیدا کرنے کی مشین سمجھی جاتی تھی۔ خطبہ حجۃ الوداع کی ایک اہم دفعہ یہ تھی:

اِنَّ لَکُمْ مِن نِسَاءِ کُمْ حَقًّا وَلِنِساءِ کُم عَلَیْکُمْ حَقًّا ۵۸

[بلا شبہ تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے۔]

آج کی دنیا میں فرائض وواجبات سے کنارہ کشی اختیار کی جاتی ہے اور حقوق ومراعات کی بازیابی کے لیے راگ الاپے جاتے ہیں، نعرے بازی ہوتی ہے، جلوس نکالے جاتے ہیں، اجتماعی کارروائیاں کی جاتی ہیں، سمینار اور سمپوزیم منعقد کیے جاتے ہیں۔ اگر آج کے دور میں مرد خلوص اور ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض سے سبک دوش ہوں اور عورتیں اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہوں تو حقوق کی بازیابی کے لیے جلسوں کا انعقاد اور سمینار وسمپوزیم کا وجود بے معنی ہوجاتا ہے۔ مرد اور عورت کے حقوق وفرائض سے متعلق یہ تعلیم صرف فرزندان توحید کے لیے ہی نفع بخش نہیں ہے، بلکہ تمام مذاہب کے پیروؤں کے لیے یکساں مفید اور دور رس اثرات کی حامل ہے۔ اس تعلیم پر عمل پیرا ہونے کے نتیجے میں ایک طرف مرد کا وقار اور اس کی قوامیت باقی رہتی ہے تو دوسری طرف عورت کی عزت وعصمت محفوظ و مامون رہتی ہے اور پھر وہ اپنے مخصوص دائرے میں رہتے ہوئے تربیت اولاد اور گھر کے حسن انصرام کی شکل میں اپنی مخصوص صلاحیتوں کے نذرانے پیش کرتی ہے۔

آج بالخصوص امت مسلمہ میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر قیادت سے محرومی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صوبائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر قیادت کا فقدان نہیں ہے۔ خلوص وللّٰہیت ، فکروتدبر، انتظام وانصرام اور جرأت وبے باکی کے اوصاف کے لحاظ سے کسی زمانے میں بھی امت مسلمہ میں قحط الرجال نہیں رہا ہے اور آج کے اس اکیسویں صدی میں بھی اخلاص وللّٰہیت کے وصف سے آراستۂ علم وآگہی سے مزین اور فہم وتدبر اور قیادت ورہنمائی کے جوہر سے مرصع، بلند قامت شخصیات کی کمی نہیں ہے۔ المیہ یہ ہے کہ امت کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ کسی قائد کو برداشت کرے۔ جھوٹی شہرت کا حصول، اپنی اَنا کی تسکین کا جذبہ، شخصی اور گروہی مفادات کے تحفظ کا خیال اور مسلک و مکتبۂ فکر کا حصار، امت کو اتحاد واتفاق کی لڑی میں پرونے نہیں دیتا اور قائد کے بارے میں یہ مفروضہ

قائم کیا جاتا ہے کہ وہ ایسا آئیڈیل ہو کہ تقطیرات وکوتاہیاں اس کے قریب نہ پھٹکیں ۔ انسانوں کے لیے کوئی آئیڈیل قائد انسان ہوگا اور انسان سے غلطیاں بھی ہوں گی، اس کے بعض اقدامات اور فیصلے بعض لوگوں کے لیے یا بعض طبقات کے لیے قابل اعتراض بھی ہوں گے۔ امت اگر ایسا قائد چاہتی ہے کہ اس سے کوئی خطا نہ ہو اور وہ ہر ایک کو خوش رکھے تو بہر حال یہ انسانی قیادت سے فروتر اور امر مستحیل ہے۔ ایک قائد سب کو خوش نہیں رکھ سکتا ، ہاں قابل توجہ یہ ہے کہ اس کے اقدامات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے انحراف پر مبنی نہ ہوں۔ آپ جب الوداعی خطبہ فرما رہے تھے تو انتشارِ امت کو ختم کرنے کے لیے اور اتحاد واتفاق کا شیرازہ برقرار رکھنے کے لیے ناگزیر تھا کہ آپ آخری ہدایت نامہ میں اس عقدہ کو حل فرماتے۔ آپ نے اس سلسلے میں جو امت کو قیمتی سبق دیا وہ کتب احادیث وسیر کے اوراق کی زینت ہے اور قیامت تک یہ زندہ قوموں کے لیے روح افزا پیغام ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنْ أُمِرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبشيٌّ مُجْدِعٌ مَا اَقَامَ فِيْكُمْ كِتَابَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ۵۹

[اے لوگو! اللہ سے ڈرو، سنو اور اطاعت کرو، اگر حبشی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو، جب تک وہ تم کو اللہ عزوجل کی کتاب کے مطابق لے چلے ۔]

باب کے جرم میں بیٹا، بیٹے کے جرم میں باپ، بھائی کے جرم میں بھائی چچا کے جرم میں بھتیجا اور بھتیجے کے جرم میں چچا مجرم نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے کاغذی طور پر بعض ملکی اور بین الاقوامی ضوابط ودفعات میں یہ اصول موجود ہو۔ لیکن صداقت یوں نظر آتی ہے کہ پوری دنیا میں یہ کریہہ اور انسانیت سوز منظر سامنے آتا ہے کہ اکثر وبیشتر ایک شخص کی غلطی کا خمیازہ پورے خاندان والوں کو بھگتنا پڑتا ہے اور بسا اوقات خاندان کے خاندان تباہ وبرباد کردیئے جاتے ہیں۔ اسلام غلطی کا ارتکاب کرنے والے کا ہی مواخذہ کرتا ہے۔ مجرم وہ ہے جو جرم کرتا ہے اور سزا مجرم کو ہی ملنی چاہیے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات اعزّاء واقربا اور احباب ورفقاء کو مجرم نہیں قرار دیتیں الا یہ کہ کسی نہ کسی حد تک ان کے ملوث ہونے کا ثبوت فراہم ہوجائے۔ قرآن مجید کی بے شمار تعلیمات اس موقف پر دالّ ہیں کہ جو عمل خیر کرے گا اس کے نتیجہ خیر سے وہ خود مستفیض وشرفیاب ہوگا۔ اور جو عمل بد اختیار کرے گا اس کا وبال خود اسی پر ہوگا۔ ۶۰ اسلام کا یہ درخشاں اصول دنیا اور آخرت دونوں جگہوں کے مقدمات کے سلسلے میں

ہے۔ آخری حج کے موقع پر ترجمان وحی الٰہی رسالت مآب ﷺ نے اس سلسلے میں قرآن مجید کی درخشاں تعلیمات کا ماحصل ان الفاظ میں پیش کیا تھااور امت مسلمہ کے نمائندہ اجتماع کے واسطے سے پوری انسانی برادری کو یہ واضح لائحۂ عمل دیا تھا:

اَلاَلاَیَجْنی جَانٍ اِلاَّ عَلٰی نَفْسِہ اَلاَ لاَ یَجْنِی جَانٍ عَلی وَلدِہِ وَلاَمَوْلُوْدٌ عَلَی وَالِدِہ ۲۱ ۔

[ہاں سنو! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں ہے اور بیٹے کے جرم کا جوابدہ باپ نہیں ہے۔]

رسول اکرم ﷺ کی اس زریں تعلیم کو اگر آج معاشرہ انسانی اپناوطیرۂ زندگی بنالے اور حقوق انسانی کے علمبردار ان مقدس الفاظ کو اپنے قانون وضابطہ کی زینت بنالیں تو بعید نہیں کہ بہت حد تک ظلم وبربریت اوروحشت ودرندگی کا قلع قمع ہوگا اور انسانی عظمت وتقدس کی بہت حد تک حفاظت ہوسکے گی۔ یہ تعلیم غیر اسلامی حکومت کی رعایا کے لیے بھی اتنی ہی اہم ہے ۔ ملک کا دستور وضابطہ کسی ملک کی عظمت کا ترجمان ہوتا ہے۔تعلیم نبوی کا انطباق یوں ہوتا ہے کہ اگر ایک حکمراں اگرجمہوریت کی روح برقرار رکھتے ہوئے تمام طبقات (خواہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں) کا خیال کرتے ہوئے اورسب سے اہم بات یہ ہے کہ ملک کے دستور کا تقدس برقرار رکھتے ہوئے اگر وہ حکمرانی وقیادت کرر ہا ہےتو خواہ مخواہ اس کے اصولوں کے نفاذ میں سد راہ نہیں بننا چاہیے،مخالفتوں اور مخاصمتوں کا طوفان نہیں کھڑا کرنا چاہیے، احتجاجات اور بغاوتوں کو شہہ نہیں ملنا چاہیے۔ چاہے وہ حکمراں اونچی ذات کا ہو یا نیچی ذات کا ، اس کا احترام لازم ہے ۔ ملک کے قانون کااحترام واجب ہے، اور صحیح معنوں میں ملک وقوم کی صلح وآشتی اور فلاح وبہبود کے لیے اس کا یہ اقدام سراہے جانے کے لائق ہے۔

کتاب اللہ اورسنت رسول اللہ ﷺ شریعت مطہرہ کے دومستند ترین مآخذ ہیں۔ کتاب اللہ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عظمت کے ظاہری پہلوکوبھی مستحضر رکھا جائے اوراس کی عظمت کے باطنی پہلو کوبھی۔ بلکہ اس ضابطۂ زندگی کا اصل احترام یہ ہے کہ اس کی تعلیمات سے اپنی زندگیوں کو روشن کیا جائے اوراس کے احکام کو معاشرے میں نافذ کیا جائے۔ اسی طرح سنت رسول اللہ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ پر مقالے لکھے جائیں، کتب ورسائل تحریر کیے جائیں،

تقاریر ومواعظ سے عوام وخواص کو مستفیض کیا جائے، تقریبات سیرت نبوی کا اہتمام کیا جائے، لیکن آپؐ سے محبت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کو اسوۂ عمل بنایا جائے اور آپ کی تعلیمات کو انسانیت کے لیے نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ خاتم الانبیاء ﷺ نے عرفات کے میدان میں انسانیت کو جو جامع دستور حیات دیا تھا، اس کی ایک اہم دفعہ یہ تھی:

تَرَکْتُ فِیْکُمْ امْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِما کِتَابَ اللّٰہ وسُنَّتِی ۶۲؎

[میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ تم لوگ ہرگز گمراہ نہیں ہوسکتے جب تک کہ تم لوگ ان کو مضبوطی سے پکڑے رہوگے اور وہ دو چیزیں ہیں کتاب اللہ اور میری سنت۔] ☆

رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مقدس الفاظ کے آئینے میں آج امت اپنی تصویر دیکھے کہ کیا وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا حق ادا کررہی ہے۔ قرآن مجید میں ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں سے اللہ رب العزت کا یہ وعدہ بتکرار مرقوم ہے کہ وہ زمین میں خلافت ارضی کا پروانہ سونپے گا اور عزت وسرخروئی ان کے لیے مقدر ہوگی جو ایمان سے شرفیاب ہوجائیں اور عمل صالح کو اپنا زیور حیات بنالیں۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ آج امت مسلمہ پوری دنیا میں ذلت وخواری اور محرومیت ومظلومیت کے دور سے گزر رہی ہے اور طرح طرح کے نامساعد حالات سے اس کو سابقہ پڑ رہا ہے۔ تشویشناک حد تک ان کو مشکوک ومشتبہ قرار دیا جارہا ہے اور اس بنیاد پر ان کی جان، مال اور عزت سے بھی کھلواڑ کیا جارہاہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ حالاں کہ مسلمانوں سے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ سرخرو اور فائز المرام ہوں گے۔ امت کی ہمہ جہت پستی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آج مسلمان کا واسطہ قرآن مجید سے رسمی رہ گیا ہے۔ وہ کتاب جس نے بھیڑ بکری چرانے والی قوم کی زندگیوں کو بدل دیا تھا، وہ ساری دنیا کے انسانوں کے رہبر ہوگئے تھے اور اسی کتاب کی بدولت انھوں نے اغیار واجانب کے کیمپ میں لرزہ طاری کردیا تھا۔ آج بھی وہ کتاب محفوظ و مامون شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس کتاب سے ہمارا تعلق مضبوط و مستحکم ہوجائے

☆ بعض معتبر ومستند ماخذ میں لفظ ''سنتی'' کی جگہ عترتی اھلبیتی'' بھی آیا ہے جس کا مطلب ہے، میری عترت واہلبیت

اور ہم ذلیل وخوار رہیں۔ اسی طرح سنت رسولؐ اللہ سے ہماری وابستگی سطحی ہے۔ سرورعالم ﷺ پر محض درود وسلام پڑھ لینا، نام آتے ہی عقیدت سے چوم لینا، میلاد کی محفلوں کو قمقموں سے مزین کردینا اور اس سلسلے میں ہفتہ وعشرہ تقریبات کا انعقاد کرلینا، یقیناً یہ محبت رسول ﷺ کے مظاہر ہیں لیکن محبت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ آپ کے طریقۂ زندگی سے محبت ہوجائے، شب وروز کے چوبیس گھنٹوں، نشست وبرخاست، تکلم وگویائی، اکل وشرب، سلوک وبرتاؤ اور دیگر تمام مصروفیات میں سنت رسولؐ اللہ جلوہ گر ہوجائے۔

قرآن مجید چوں کہ اللہ رب العزت کی عطا فرمودہ نعمت عظمیٰ ہے جو ساری انسانیت کے لیے ہے اور رسول اکرم ﷺ قیامت تک کے سارے انسانوں کے لیے رسول ہیں۔ آپ کا طریقۂ زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔ آج اگر دنیائے انسانیت پستی وانحطاط اور زوال ادبار کا حل تلاش کرنے میں سرگرداں ہے تو تجربے کی میز پر اس کتاب اللہ کو رکھے جو بلاشبہ تمام انسانوں کو راہ نجات دکھاتی ہے۔ اور بلاشبہ اس راہ نجات کے اسرار ورموز سرورکونین ﷺ کی زندگی میں ملتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے خدمت گار کے طور پر کائنات کی پوری بزم سجادی۔ انسان خدا کی زمین پر رہتا ہے، اس کا دیا ہوا کھاتا ہے، اس کی ہواؤں میں سانس لیتا ہے، اعضاء جسمانی کی شکل میں اس کی بے مثل نعمتوں سے مالا مال ہے، ماں باپ جیسے شفقت ومحبت کے پیکر سے وہ بہرہ ور ہے، اعزہ واقربا اوراحباب ورفقاء کی عنایت وتوجہ اورالفت ومحبت کا سرمایہ اس کی زندگی کو خوشگوار بناتا ہے۔ ان ساری نعمتوں سے متمتع ہونے کے باوجود اگر وہ اپنا سرکسی اور آستانے پر جھکاتا ہے اور اپنی عملی زندگی کے فیصلہ کن مراحل میں دوسری ہستیوں کو شریک وسہیم سمجھتا ہے تو اس سے بڑی بے حیائی اور اس سے بڑی ناشکری نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ عقیدے کے اس فساد کے ساتھ کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں باوزن نہیں ہوتا[۶۳] اوراس کی حیثیت صحرا کے سراب کی طرح ہوتی ہے۔[۶۴] اللہ کی ذات کا انکار یا اللہ کی ذات میں اس کی صفات میں یا اس کے اختیارات میں کسی کو ساجھی قرار دینا، دونوں ہی انتہائی شنیع جرم ہیں، اور دونوں کا انجام جہنم ہے[۶۵]۔ اللہ رب العزت کے یہاں اگرکوئی معافی نہیں ہے تو کفروشرک کی معافی نہیں ہے۔ شرک کو اللہ رب العزت کھلے الفاظ میں جرم عظیم اور ظلم عظیم قرار دیتا ہے[۶۶]۔ اسی لیے اس کے نزدیک یہ جرم ناقابل معافی ہے۔

عبادت صرف اور صرف اللہ کی ہونی چاہیے، یہی تعلیم تمام پیغمبران خدا نے دی اور اسی کی تعلیم سرورکونین ﷺ نے فرمائی، اس لیے کہ اس کی پیدائش کا مقصد ہی عبادت ہے ۶۷۔ گویا ایک لمحہ کے لیے بھی اس مبارک عمل سے انحراف اللہ سے انحراف ہے، چنانچہ ایک شخص سے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اللہ کا ہی عبد ہوکر رہنے کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اور یہی وہ شایانِ انسانیت عمل ہے جو انسان کو تمام معبودان باطل کے طوق سلاسل سے خلاصی کا سبب بنتا ہے۔ اگرچہ رسول اکرم ﷺ نے سوا لاکھ نمائندگان اسلام کی موجودگی میں وہ تاریخی خطبہ دیا تھا، لیکن اس نمائندہ اجتماع کے توسط سے آپ پوری انسانی برادری کو یہ پیغام دے رہے تھے۔ اس لیے کہ آپ کی بعثت مبارکہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہوئی تھی بلکہ انسانیت کے لیے ہوئی تھی اور آپ رحمۃ للعالمین کے مقام پر فائز تھے۔ ہاں ایمان کی نعمت سے شرفیاب ہونے والے ہی اس امانت کو دنیائے انسانیت تک پہنچا سکتے تھے، اس لیے آپ نے اس خطبہ میں وہ عظیم الشان دفعہ بھی شامل کی جس پر عمل پیرا ہونے کے بعد معبودان باطل کا قلادہ اپنی گردنوں سے اتار پھینک کر انسانیت کی معراج حاصل کی جاسکتی تھی اور ابدی اور لازوال کامیابی کی شکل میں جنت کا حصول ممکن ہوسکتا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا:

اعبُدُوا ربّکم فَصَلُّوا خَمۡسَکُمۡ وَصَومُوا شَهۡرکم وَاَطِیۡعُوا اذا آمرُکُمۡ تَدخُلُوا جنَّة ربّکم ۶۸

[تم لوگ اپنے رب کی عبادت کرو، اپنی پانچوں وقت کی نمازیں پڑھو، اپنے روزے رکھو اور جب میں تم کو حکم کروں تو اطاعت کرو، تاکہ تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔]

فرزندان اسلام کے لیے یہ وصیت جس قدر معنی خیز تھی بعینہٖ دوسرے بندگان خدا کے لیے اہم اور قابل قدر تھی۔ ایک خدا کی بندگی آسان بھی ہے اور انسان کے شایان شان بھی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ خداؤں کے جھرمٹ میں رہنے والے بندۂ خدا کو نہ تو فکر و خیال کے لحاظ سے امن وآشتی نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی حقیقی خالق سے صرف نظر کرکے اس کی زندگی پُر کیف وپُر بہار ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ایک خدا کی عبادت کا علم اٹھا کر گویا وہ اس کی صفت عدل کا بھی قائل ہوتا ہے اور اس بات پر یقین ہوتا ہے کہ اس امتحان گاہ کے بعد ایک نتیجہ گاہ بھی وقوع پذیر ہوگی جہاں اپنے کیے ہوئے

اعمال کا بدلہ ملے گا۔ گویا خدا کی وحدت کے قائل اور آخرت پر یقین کامل رکھنے والے شخص کی زندگی ایک ذمہ دار اور جوابدہ کی زندگی ہوجاتی ہے۔ اس طرح فکر وعقیدہ کے لحاظ سے بھی اس کا دل دماغ بہت سے خداؤں کی آماجگاہ نہیں بنتا اور نہ ہی وہ یہاں بے لگام زندگی گزارتے ہوئے ظلم وبربریت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے کم وبیش سوا لاکھ انبیاء کرام مبعوث ہوئے۔ بعثت مبارکہ کے اس سلسلتہ الذہب کی آخری کڑی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ چوں کہ اسلام اللہ رب العزت کی بیش بہا روحانی نعمت ہے جو حضرت آدمؑ سے لے کر تمام پیغمبرانؑ خدا کو انسانوں کے رشد وہدایت کے لیے دیا گیا۔ محمد عربی ﷺ پر اس نعمت عظمیٰ کی تکمیل ہوئی ۔قرآن مجید اسلام کا مستند ترین منشور اور پوری انسانی برادری کے لیے جامع طریقۂ زندگی ہے جو محمد عربی ﷺ پر نازل ہوا۔ اسلام جب عالمگیر ہے تو اس کا منشور بھی عالم گیر ہوگا اور اس منشور کی تفسیر وبیان کو بھی آفاقیت کا درجہ حاصل ہوگا۔ متعدد قرآنی آیات رسول عربی ﷺ کی عظمت ورفعت پر ناطق ہیں۔ کہیں آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا جاتا ہے، کہیں آپ کی اتباع کو اللہ کی محبوبیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، کہیں آپ کو اخلاق فاضلہ کی انتہائی بلندیوں پر متمکن ہونے کا اعزاز بخشا جاتا ہے، کہیں آپ کے نطق وگویائی کو اللہ کی وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کہیں آپ پر اللہ کی خاص نظر عنایت کا تذکرہ ہے، کہیں ببانگ دہل یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ آپ رحمۃٌ لِلّعَالمین ہیں اور آپ کا اسوۂ زندگی ان تمام انسانوں کے لیے نمونہ عمل ہے جو اللہ سے ملاقات کے خواہاں اور آخرت کی لازوال مسرتوں کے حصول کے امیدوار ہیں۔

ایام حج کے دوران عرفات کے میدان میں خاتم الانبیاء ﷺ کا خطبہ وہ آخری خطبہ ہے جو خطبہ حجۃ الوداع سے موسوم ہے۔ اگرچہ یہ عظیم الشان مجمع دنیا بھر کے ایمان کے شیدائیوں اور آپ کے جاں فروشوں کا تھا، تاہم ان کے توسط سے اس وصیت اور الوداعی پیغام کے مخاطب وہ لوگ بھی تھے جو کسی وجہ سے ایمان سے شرفیاب ہونے کے باوجود شرکت سے محروم تھے اور وہ لوگ بھی اس پیغام کے مخاطب تھے جو حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے لیکن اسلام کی اس نعمت غیر مترقبہ سے ان کو محروم نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ علاقائی سطح پر، ضلعی سطح پر، صوبائی سطح پر، ملکی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر حقوق

ومراعات کی بازیافت کی باتیں گونج رہی ہیں ،مضامین ومقالات اورکتب ورسائل منظر عام پر آرہے ہیں ، ہفتہ وعشرہ تقریبات منائی جارہی ہیں ،ملاحظات ومباحثات ہورہے ہیں اورسیمینار وسمپوزیم منعقد ہورہے ہیں،لیکن سچ تو یہ ہے کہ مرض سنگین سے سنگین تر ہوتا جارہاہے اور انسان کی عظمت مجروح ہوتی جارہی ہے۔آج جمہوریت اورشورائیت کے قیام کی بالادستی کے نام پر عدل وانصاف کاخون کیاجارہا ہے،حقوق پامال کیے جارہے ہیں،عزتوں سے کھلواڑ کیاجارہا ہے، انسانی خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے، رنگ ونسل اور خطہ وعلاقہ کی بنیاد پر معاملات طے ہورہے ہیں،عورتوں کے حقوق کی پامالی ہورہی ہے اور آزادیٔ نسواں کے آڑ میں عورتوں کی عزت وعصمت کاسودا کیاجارہاہے، مجرم کی بجائے مجرمین کے متعلقین واحباب حراست میں لیے جاتے ہیں اور انھیں ناکردہ گناہوں کی سزا جھیلنی ہوتی ہے۔ قیادت کے نام پر امت میں بحران ہے۔ایسانہیں ہے کہ باوصف اورلائق وفائق افراد ملت کا فقدان ہے، لیکن تشویشناک بات یہ ہے کہ جھوٹی شہرت ، بے جاحمیت، تعصب، برادری، ذاتی، خاندانی اورگروہی مفادات کے حصار نے امت کی قوت بازوکوشل کردیا ہے اور ان کے احساس زیاں کو نابودکردیا ہے، اس لیے کسی بھی قائدکو برداشت کرنے کی صلاحیت اس کے اندرنہیں رہ گئی ہے۔ اسی طرح کسی بھی ملک کےعوام کے اندرتحمل وبرد باری کا وہ وصف معدوم ہوتا جارہاہےجس کی بنا پر اس کے اندر سے اہون البلیتین (Lesser Evil) کو برداشت کرنے کی قوت ناپید ہوچکی ہے اور حکمراں جماعت کے لیےعوام اورحکمراں مخالف جماعتوں کی طرف سے بسا اوقات مخالفتوں اور مخاصمتوں کا طوفان برپا کیاجاتاہے۔

عصر حاضر کے ان ناخوشگوار ونامساعد حالات میں خطبۂ حجۃ الوداع بجا طور پرحقوق انسانی کا جامع اور عالمگیر منشور ثابت ہوتاہے۔امانتوں کی ادائیگی کاحکم بالخصوص اسلام جیسی متاع عزیز کوان بندگان خدا تک پہنچانے کی تعلیم جو اللہ رب العزت کی اس نعمت بے بہا سے محروم ہیں، دنیائے انسانیت کے لیے متاع گراں مایہ سے کم نہیں ہے۔ جان، مال،عزت اور آبرو کی حفاظت کی تعلیم عقل عام سے مزین اور غیرت وحمیت سے پُر ہرشخص کے لیے اس عارضی دنیا میں مژدۂ جانفزا اور روح پرور پیغام ہے۔**تقویٰ** دراصل وہ ضابط وحکمراں ہے جوشب تاریک میں بھی اور دن کی روشنی میں بھی، بند کمرے اور کوٹھری میں بھی، چوراہوں اورشاہراہوں پربھی، آبادی میں بھی اور ویرانے میں بھی، میدان بزم میں بھی اور میدان رزم میں بھی، فواحش ومنکرات کا باغی اورخیرات وحسنات کا پیامی

بنا دیتا ہے۔ **رنگ ونسل** اور **فرقہ وبرادری** کے تمام فروق امتیازات کو پیروں تلے دبا کرامت مسلمہ کے نمائندہ اجتماع کے توسط سے دنیائے انسانیت کو نبی عربی ﷺ نے یہ قیمتی درس دیا ہے کہ بڑائی کا کوئی معیار اگر ہے تو وہ صرف تقویٰ ہے۔ اسی طرح **آخرت کا عقیدہ** آدمی کو، ذمہ دار وجوابدہ بناتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے الوداعیہ خطبہ کے یہ مقدس الفاظ 'سَتُلْقَونَ رَبَّکُمْ فَیَسْأَلُکُم عَنْ اَعْمَالِکُمْ' حقوق وفرائض کی ادائیگی کے لیے پوری انسانی برادری کے لیے مہمیز کا کام کرتے ہیں۔ افراط وتفریط اور غلو وانتہا پسندی سے اجتناب کی تلقین جس طرح دین و مذہب کے لحاظ سے سرمایۂ سیم وزر ہے اسی طرح دنیوی مشاغل ومعاملات میں رحمت ورافت کا مقام ہے جسے لاکھوں فرزندان توحید کے سامنے آپ نے بطور وصیت حوالۂ ناظرین کیا تھا۔

مجرم وہی ہے جو جرم کا ارتکاب کرے، یہ نہیں ہوگا کہ اس کا باپ بیٹا یا کوئی اور عزیز اس جرم کی پاداش میں اذیتیں جھیلے۔ یہ ایک صائب فکر اور راست طریقہ ہے جو آج کی دنیا میں اگر جامۂ عمل پہن لے تو ایک مجرم کے بدلے میں خاندان کے خاندان کی تباہی کا المناک اور روح فرسا منظر نگاہوں کے سامنے نہ آئے۔ اس زرین اصول کو بھی آپ نے اپنے آخری خطبہ کی اہم دفعہ میں شامل کیا اور لوگوں کو تنبیہ کی کہ ظالم اور مجرم ہی کیفروکردار تک پہنچایا جائے نہ کہ اس کے اعزّاء واقرباء اور دیگر احباب ومتعلقین۔ حقوق نسواں کی بحالی اور آزادیٔ نسواں کا نعرہ اگرچہ جاذب نظر ہے، تاہم جدید دور میں یہ آوازیں عورت کی خیرخواہی کے بجائے اس سے نفرت وعداوت اور اس کی آبروریزی پر ناطق ہیں۔ عورت اپنی فطرت اور مخصوص صلاحیت کی بنا پر گھر کی ملکہ ہے اور اس اہم ترین تربیت گاہ کی کل وقتی معلّمہ اور مربّیہ ہے۔ اسی طرح مرد باہر کی دنیا کا سفیر، اقتصادی امور کا ذمہ دار اور گھر کے احوال وکوائف کا نگراں ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے شریک سفر گاڑی کے دو پہیے کے مثل ہیں۔ یہ دونوں اسی وقت کام کرسکتے ہیں جب دونوں ہی درست ہوں۔ مرد اور عورت کی درستگی اور اپنے اپنے میدان میں حسن کارکردگی کا راز اس میں مضمر ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں اور دونوں ہی اپنے فرائض کے تئیں بیدار مغزی کا ثبوت دیں۔ انسان کی انسانیت کا راز بلکہ یوں کہا جائے کہ انسانیت کی معراج کا راز اس میں مضمر ہے کہ تمام باطل خداؤں کا قلادہ اتار پھینک کر خدائے واحد کی عبودیت کا تاج اپنے سر پر رکھ لے، جبھی وہ اس دنیا میں اشرف المخلوقات کی

حیثیت سے زندگی گزار سکتا ہے اور فرائض وواجبات کی بحسن خوبی ادائیگی کے ذریعہ لازوال مسرتوں کی کلید حاصل کرسکتا ہے۔قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ دونوں جہاں کی سعادتوں اور کامرانیوں کے لیے قیمتی مخزن اور مستند ترین مصادر ہدایت ہیں جن کی تعلیمات کو عملی زندگی میں برت کر دونوں جہاں کی سرخروئی کا مقام حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اگر حجۃ الوداع کے ان تاریخ ساز،فکر انگیزاور بے نظیر تعلیمات وتنبیہات کو معاشرہ انسانی نقوش راہ بنالے تو صحیح معنوں میں عدل وانصاف کا قیام، حقوق ومراعات کی حفاظت اور انسانیت نوازی و بشر دوستی کا چلن معاشرہ انسانی میں عام ہوسکتا ہے اور حقوق انسانی سے متعلق ہمارے مقالات وملاحظات ، مناقشات و مباحثات اورقومی اور بین الاقوامی سیمنار وسمپوزیم محمود ومبارک اور سعی مشکور ثابت ہوسکتے ہیں۔

حوالے وحواشی

۱۔سورۂ شوریٰ ،آیت ۱۳

۲۔سورۂ مائدہ ،آیت ۳

۳۔سورۂ مائدہ ،آیت ۳

۴۔سورۂ بقرہ ،آیات ۲، ۹۷،۷، ۱۸۵، سورۂ آل عمران ،آیت ۱۳۸، سورۂ انعام ،آیت ۱۵۷،سورۂ اعراف ،آیت ۲۰۳، سورۂ نحل ،آیات ۶۴، ۸۹، ۱۰۲، سورۂ نمل ،آیت ۲،سورۂ لقمان ،آیت ۳،سورۂ فصّلت ،آیت ۴۴

۵۔سورۂ انعام ،آیت ۱۵۷، سورۂ اعراف ،آیت ۲۰۳، سورۂ یونس،آیت ۵۷، سورۂ یوسف ،آیت ۱۱۱، سورۂ نحل ،آیت ۸۹، سورۂ اسراء ،آیت ۸۲، سورۂ قصص ،آیت ۴۳

۶۔سورۂ یونس ،آیت ۵۷، سورۂ اسراء ،آیت ۸۲، سورۂ فصلت ،آیت ۴۴

۷۔سورۂ ابراہیم ،آیت ۱

۸۔سورۂ اسراء ،آیت ۹

۹۔سورۂ ابراہیم ،آیت ۵۲

۱۰۔سورۂ آل عمران ،آیت ۳۲، ۱۳۲،سورۂ نساء ،آیت ۵۹، سورۂ مائدہ ،آیت ۹۲، سورۂ انفال ،آیات ۱، ۲۰، سورۂ نور ،آیت ۵۴،سورۂ محمد ،آیت ۳۳، سورۂ مجادلہ ،آیت ۱۳، سورۂ تغابن ،آیت ۱۲

۱۱۔سورۂ آل عمران ،آیت ۳۱

۱۲۔سورۂ نجم ،آیت ۳

۱۳۔سورۂ قلم ،آیت ۴

۱۴۔ سورۂ احزاب، آیت ۵۶

۱۵۔سورۂ اعراف، آیت ۱۵۷

۱۶۔سورۂ انبیاء، آیت ۱۰۷

۱۷۔سورۂ نحل، آیت ۴۴، ۶۴

۱۸۔سورۂ احزاب، آیت ۲۱

۱۹۔مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح، ج۱، کتاب العتق، ص ۴۹۵، مطبع اصح المطابع، دہلی

۲۰۔مسلم بن حجاج القشیری الجامع الصحیح، ج۱، کتاب البر، ص ۱۲۵۔۱۲۶

۲۱۔چونکہ قرآن مجید اسلام کا عالمگیر اور آفاقی منشور ہے جو قیامت تک کے لیے ہے اور نبی کریم ﷺ اس کتاب عزیز کے حامل ہیں۔ آپ کے بعد نہ ہی کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی کتاب، اس لیے آپ ﷺ کی عظمت کا راز بھی اس اعتراف ویقین میں مضمر ہے کہ آپ کو تمام دنیا کے انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا اور بطور سرچشمہ ہدایت آپ ﷺ کو یہ کتاب دی گئی ۔ اس لیے آپ کی نبوت بھی عالمگیر اور آفاقی ہے۔

۲۲۔سورۂ انبیاء، آیت ۱۰۷، سورۂ سبا، آیت ۲۸

۲۳۔سورۂ آل عمران، آیت ۳۱

۲۴۔سورۂ نساء، آیت ۵۸

۲۵۔سورۂ اعراف، آیت ۱۰۵

۲۶۔عبدالملک بن ہشام: سیرۃ النبی، الجزء الرابع، ص ۲۷۵، دارالفکر

۲۷۔سورۂ تکاثر، آیت ۸

۲۸۔حاکم نیشاپوری: المستدرک، کتاب الرقاق، ج۴، ص ۳۰۶، ۱۳۴۲ھ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد،

۲۹۔محمد بن عیسیٰ الترمذی: سنن الترمذی، ج۲، باب فی القیامۃ، ص ۵۴۵، حدیث ۲۴۱۷، الطبعۃ الاولیٰ مکتبۃ المعارف، ریاض

۳۰۔سورۂ حجر، آیت ۹

۳۱۔سورۂ آل عمران، آیت ۸۵، سورۂ نساء، آیت ۱۲۵، سورۂ مائدہ، آیت ۳

۳۲۔سورۂ آل عمران، آیت ۱۱۰

۳۳۔سورۂ مائدہ، آیت ۳۲

۳۴۔احمد بن حنبل :المسند ، ج ۱،ص ۲۳۰

۳۵۔شبلی نعمانی: سیرۃ النبی ،ج ۲،ص ۹۹ ، ۱۴۰۸ھ، لاہور

۳۶۔احمد بن حنبل: المسند ، ج۵ ،ص ۴۱۱

۳۷۔سورۂ حجرات،آیت ۱۳

۳۸۔تقویٰ دراصل خوف خدا یا خشیت الٰہی سے عبارت ہے۔ دنیا کا کوئی قانون، معاشرے کی کوئی تعلیم یا روایت مخصوص اوقات میں اور وقتی طور پر کارگر اور موثر ہوسکتی ہے، لیکن خدا کا خوف یاتقویٰ ہر جگہ آدمی کو اچھائیوں کاعلمبردار اور برائیوں سے باغی بنادیتا ہے۔ اور یہ قانون انسان کو اندر سے بدل دیتا ہے۔

۳۹۔سورۂ بقرہ،آیت ۱۳۴ ، ۱۴۱ ، ۲۸۶، سورۂ نحل،آیت ۷۱ ، الانبیاء،آیت ۹۴، سورۂ بنی اسرائیل،آیت ۲۱، سورۂ زلزال،آیت ۸-۷

۴۰۔اسلام نتائج عمل میں برابری کا قائل نہیں ہے۔ ہاں اسباب و وسائل سب کے لیے فراہم ہونے چاہئیں، اس بات کی وکالت کرتا ہے۔ اگرایک مفلس اورغریب ہے جو اپنی معاشی خستہ حالی کی بنا پر اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام نہیں کرسکتا، اس کے لیے اسلامی حکومت ذمہ دار اور مکلّف ہے کہ دوسرے بچوں کی طرح سہولیات اسے بھی دستیاب ہوں اور یکساں مواقع فراہم کیے جائیں۔ نتیجہ عمل میں برابری بہر حال غیر فطری اور غیر عقلی ہے اس لیے کہ جب اس بات کا یقین ہو کہ کام کیا جائے یا نہ کیا جائے محنت وکاوش کی جائے یا غفلت اور کام چوری کا طریقہ اختیار کیا جائے تو پھر کوئی تنظیم، کوئی شعبہ یا کوئی ریاست کیوں کر ترقی کے گام پر چل سکتی ہے، اس لیے کہ کام چوری، سستی، اور غفلت و بے توجہی ، عام لوگوں کا شیوہ وشعار بن جاتا ہے۔ انسانوں میں مقام ومرتبہ اور نتیجہ وانجام کے لحاظ سے تفاوت دراصل کائنات کا نظام قائم رکھنے کے لیے ایک بڑی حکمت عملی ہے۔ اس کے برعکس اگر نتائج میں سب برابر ہوجائیں تو کائنات فساد کا شکار ہوجائے۔

۴۱۔سورۂ شوریٰ ،آیت ۲۷

۴۲۔سورۂ بقرہ،آیت ۶۱

۴۳۔سورۂ مائدہ ،آیت ۷۷

۴۴۔سورۂ حشرآیات ۱۸، ۱۹

۴۵۔محمدبن یزید ابن ماجہ القزوینی: سنن ابن ماجہ ، ابواب المناسک ومتعلقاتہا،ص ۲۲۴، مطبع کلکتہ

۴۶۔ملاحظہ فرمائیں ،سورۂ اخلاص،آیت ۱ ـ ۴ ، سورۂ اعراف ،آیت ۵۴

۴۷۔سورۂ بقرہ،آیت ۲۵۵،سورۂ آل عمران ،آیت ۲،سورۂ شوریٰ ،آیت ۱۱،سورۂ دخان،۶،قٓ،آیت ۱۶

۴۸۔سورۂ بقرہ ،آیت ۳۳،سورۂ انعام ،آیت ۵۹،سورۂ ہودسورۂ ۱۲۳،۳۱،سورۂ اسراء،آیت ۲۵،سورۂ کہف ،آیت ۲۶،سورۂ عنکبوت،آیت ۱۰،سورۂ مؤمنون ،آیت ۲۲،سورۂ سجدۃ ،آیت ۶۔

۴۹۔سورۂ انعام ،آیت ۱۸، ۶۱،سورۂ یوسف ،آیت ۲۱

۵۰۔سورۂ انعام ،آیت ۱۷

۵۱۔سورۂ انعام،آیت ۱۰۲،سورۂ رعد،آیت ۱۶،سورۂ کہف ۱۱۰،سورۂ زمر،آیت ۶۲،سورۂ شوریٰ،آیت ۱۱، سورۂ حشر،آیت ۲۴

۵۲۔سورۂ آل عمران،آیت ۴۴،سورۂ انعام،آیت ۱۹،سورۂ یوسف ،آیت ۱۰۲،سورۂ ہود،آیت ۴۹۔

۵۳۔سورۂ احزاب ،آیت ۴۰

۵۴۔سورۂ قلم ،آیت ۴

۵۵۔سورۂ آل عمران ،آیت ۳۱

۵۶۔سورۂ احزاب ،آیت ۵۶

۵۷۔سورۂ احزاب ،آیت ۲۱، الممتحنہ،آیت ۶

۵۸۔محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی: سنن ابن ماجہ: ابواب النکاح،ص ۱۳۴،مطبع کلکتہ

۵۹۔احمد بن حنبل: المسند ، ج ۴،ص ، ۷۰

۶۰۔سورۂ بقرہ ،آیت ۲۸۶،سورۂ النساء ،آیت ۳۲، سورۂ قصص ،آیت ۸۴،سورۂ روم ،آیت ۴۴، سورۂ طور،آیت ۲۱،سورۂ قارعہ،آیت ۶۔۹

۶۱۔محمد بن یزید القزوینی: سنن ابن ماجہ، ابواب المناسک ومتعلقاتہا،ص ۲۲۵،مطبع کلکتہ

۶۲۔احمد بن حنبل: المسند ، ج ۳،ص ۵۹

۶۳۔سورۂ کہف ،آیت ۱۰۵،سورۂ الحج،آیت ۳۱

۶۴۔سورۂ نور ،آیت ۳۹، ۴۰

۶۵۔سورۂ مائدہ،آیت ۲۷،سورۂ بیّنہ ،آیت ۶

۶۶۔سورۂ نساء،آیت ۴۸، ۱۱۶،سورۂ لقمان ،آیت ۱۳

۶۷۔سورۂ ذاریات ،آیت ۵۶

۶۸۔احمد بن حنبل: المسند ، ج ۵،ص ۲۵۱،مستدرک حاکم ، ج ۱،ص ۲۹۸